احتشام الحق قاسمی صاحب
ریسرچ اسکالر شعبہ عربی اے ایم. یو. علیگڑھ (انڈیا)

خطبات حکیم الاسلامؒ کا اسلامی بیداری میں حصہ

ہر عہد اور ہر دور میں علماء کرام نے عوام کو صحیح اسلامی تعلیمات سے متعارف کرانے اور ان میں اسلامی بیداری پیدا کرنے کے لیے مستقل کوششیں کیں۔ ان علماء کی حیثیت ایسے مصلحین کی سی تھی جو قوم کی کمزوریوں اور ان میں پیدا ہونے والی خرابیوں پر نظر رکھتے ہیں اور ان کو دور کرکے اپنی قوم کو مکمل انسان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں علماء نے خواص کےلئے باقاعدہ تعلیم گاہیں قائم کیں۔ ایک لائحہ عمل اور نصاب تیار کیا اور اس کے مطابق محنتیں کیں تاکہ آگے چل کر وہ بھی مصلحین کے روپ میں ابھریں اور عوام کیلئے براہ راست تخاطب کا انداز اپنایا تاکہ ان کی بدنظمی کو اس راہ سے دور کرکے اسلام کی مثالی اور روحانی فضاء قائم کی جاسکے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان دونوں معاملات میں علماء دیوبند اپنی ایک اہم اور امتیازی شان کے حامل ہیں۔ ان لوگوں نے صرف تعلیم گاہیں اور خانقاہیں قائم کرنے ہی کو کافی نہیں سمجھا بلکہ عوام کی اصلاح کےلئے براہ راست ان سے تعلق قائم کیا۔ تقریر وخطابت کے ذریعہ سے ان کو اسلامی روح سے واقف کروایا اور یہاں تک پیش قدمی کی کہ غلط اور مخالف نظریہ کے حامل افراد سے بھی تعلق قائم رکھا اور ان کے اجتماعات میں بھی شرکت کی تاکہ وہاں بھی کوئی اصلاح کی صورت نکل آئے تو اسے اپنا کر ان کو سدھارا جاسکے۔ ہم یہاں پر اپنی صفات کے حامل برگزیدہ بزرگ اور مقبول عام خطیب مولانا قاری محمد طیبؒ (م: ۱۹۸۳ء) کے خطبات کا ادبی اور علمی جائزہ لیں گے اور اس بات کا تجزیہ کریں گے کہ ان کے خطبات نے مسلم سماج کی اصلاح اور ان میں اسلامی بیداری پیدا کرنے میں کس حد تک حصہ لیا۔

قاری طیب صاحبؒ کا شمار دوسرے درجہ کے اکابرین علماء دیوبند میں ہوتا ہے۔ ان کی ساری زندگی دینی علوم اور اسلامی افکار کی اشاعت میں گذری۔ وہ ایک عظیم عالم اور بلندپایہ مقبول عام خطیب تھے۔ ان کی تقاریر نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرون ملک پاکستان، بنگلہ دیش اور افریقہ میں بھی پسند کی جاتی تھیں۔ ان کے خطبات عام طور پر طویل ہوا کرتے تھے۔ نکتہ آفرینی بات میں سے

بات نکالتے چلے جانا موضوع سے متعلقہ شبہات کو دور کرتے ہوئے اس کے ہر پہلو کو واضح کرتے چلے جانا اور قرآن وحدیث ہی کو دلیل بنانا ان کا خاصہ تھا۔ ان کے خطبات میں جوش وخروش اور مدوجزر بالکل نہ ہوتا تھا۔ اپنی علمی ومعنوی اور اصلاحی صفات سے قطع نظر ان کے خطبات اردو زبان وادب کے لئے ایک بیش بہا سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے خطبات کی زبان بالکل سادہ اور عام فہم ہے جن میں وہ اردو محاورات تراکیب اور خوبصورت تعبیروں کا استعمال اس دلکش انداز میں کرتے ہیں کہ سامعین پر ایک نشہ ساطاری رہتا ہے۔ انکی تقاریر تصنع اور بناوٹ سے بالکل عاری ہیں اور ان میں ایک طرح کا بے ساختہ پن پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی تقاریر باوجود اپنی بے حد طوالت کے سننے والوں میں اکتاہٹ اور گھبراہٹ پیدا نہیں کرتی تھیں۔ اس مقالے میں ہم نے ان کی تقاریر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ جو اعمال کی اصلاح کیلئے کہی گئیں دوسری وہ جو فکری بیماریوں کی اصلاح کے مقصد کے تحت کہی گئیں۔ (اگرچہ یہ دونوں عناصر قاری صاحبؒ کی ہر تقریر میں تقریباً یکساں طور پر پائے جاتے ہیں) پھر ہر حصے میں مختلف موضوعات کے تحت ہم ان کے افکار ونظریات کا جائزہ لیں گے اور آخر میں ان کے خطبات کے ادبی مقام سے بحث کریں گے۔

اعمال کی اصلاح:- قاری صاحبؒ نے عوام میں مروج مختلف عملی خرابیوں کی طرف توجہ دی اور ان کی اصلاح کی کوشش کی مختلف عناوین کے تحت انکے نظریات پیش ہیں۔

اعتدال ومیانہ روی:- کسی بھی دینی، مذہبی اور سماجی غرض ہر قسم کے کام کے لئے اسلام میں میانہ روی اختیار کرنے کا پیغام دیا گیا ہے۔ موجودہ معاشرے میں جو افراط وتفریط نظر آتی ہے اس کا بہت بڑا سبب اس حکم کی عدم تعمیل ہی ہے۔ قاری صاحبؒ کا اس معاملہ میں کہنا ہے: اعمال کے بارے میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا "لاتشددوا فیشدداللہ علیکم" اعمال میں شدت مت اختیار کرو کہ اللہ بھی تم پر شدت کرنے لگے اور پھر کسی شدت کا مطالبہ ہوا اور نباہ نہ سکو اور گنہگار بنو تو تشدد مت کرو، اطمینان اور درمیانہ چال کے ساتھ عمل کرو۔ حضرت ام سلمہؓ مسجد میں عبادت کیا کرتی تھیں تو ایک رسی چھت میں لٹکا دی تھی۔ آپؐ تشریف لائے فرمایا یہ رسی کیسی ہے۔ عرض کیا گیا ام سلمہؓ عبادت کرتی ہیں۔ جب نیند آنے لگتی ہے تو رسی کا سہارا پکڑتی ہیں تاکہ نیند میں جھونکے نہ کھائیں اور عبادت میں مصروف رہیں۔ فرمایا اس کی کیا ضرورت ہے۔ جب نیند آئے پڑ کے سو رہو "لاتفریط فی النوم" نیند میں کمی مت کرو جتنی عادت طبعی ہے اسے پورا

کرو۔ تو آپ ؐ نے فرمایا کہ اعمال میں اعتدال رکھو۔ اتنا مت دوڑو کہ آگے جاکے ٹھوکر لگے اور گرجاؤ اور پھر چلنے ہی کے قابل نہ رہو"۔ (۱)

نکاح اور فضول خرچی:- آج کے اسلامی معاشرے خاص کر ہندوستانی مسلمانوں کے ہندوزدہ سماج میں شادی بیاہ کے معاملات میں جوفضول خرچی اور افراط وتفریط کا مظاہرہ ہے اس نے نکاح جیسے مبارک اور آسان معاملہ کو بھی مشکل ترین بناکررکھ دیا ہے۔ کچھ لوگوں نے تو اس کو اپنی شان وشوکت اور نام ونمود کے اظہار کا ذریعہ بنارکھا ہے۔ قاری صاحبؒ کا کہنا ہے کہ ایسے نکاح میں قرآن وحدیث کی روسے بالکل برکت نہیں ہوتی اور اس کا اثر ساری زندگی پر پڑتا ہے۔ کہتے ہیں: نکاح میں برکت کب ہوتی ہے؟" فرمایا گیا (حدیث شریف میں) جس نکاح میں خرچ کم ہو اس میں برکت زیادہ ہوگی اور جس نکاح میں خرچ زیادہ ہوگا برکت اٹھائی جائیگی۔ اس لئے کہ خرچ عموماً فخرومباہات کی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے کہ برادری میں ناک نہ کٹ جائے۔ ہم ذرا اونچے سمجھے جائیں اس لئے آدمی حیثیت سے بڑھ کر خرچ زیادہ کرتا ہے اور جسے برادری کہتے ہیں وہ ہر صورت میں ناک کاٹنے ہی کی فکر میں رہتی ہے۔ کتنا ہی خرچ کرے آدمی کی ناک نہیں رہتی۔ اس لئے کہ بھائی برادر اسی فکر میں رہتے ہیں کہ ذراسی کمزوری ملے اسے ہی اچھالیتے ہیں۔ تو جسے ناک کہیں وہ پھر بھی نہیں رہتی۔ تومایہ بھی کھوئی اور ناک بھی کٹوائی فائدہ کیا ملا؟ (۲)

مسلمانوں کی بربادی اور فضول خرچی وغلط رسوم:- قاری صاحبؒ کا کہنا ہے کہ بے جا اسراف اور اپنی خوشی وغمی کی غلط رسوم میں اندھادھند خرچ کی وجہ سے ہی مسلمان تباہ وبرباد ہوئے ہیں۔ ان کا مالیہ کمزور ہوگیا اور دیوالیہ نکل گیا۔ جب تک ہم اس پر قابو نہ پائیں گے کوئی سلیقہ کا کام کرہی نہیں سکتے۔ نکاح ہی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔ " جو رائج الوقت مہر ہو اس کو باندھ دو کوئی خاص مہر تلاش کرنا یا جہیز کے سلسلے میں بہت زیادہ حدود سے گذرکر خرچ کرنا یہ سب چیزیں غلط ہیں۔ مسلمانوں کی جائیدادیں اسی میں تباہ ہوئیں یا شادی کی رسوم میں یا غمی کی رسوم میں۔ مرنے والا مرتا ہے وہ توگیا اس کے بعد اب برادری کے کھانے ہورہے ہیں۔ چالیس دن کا الگ ہورہا ہے۔ دس دن کا الگ ہورہا ہے۔ برسی الگ ہورہی ہے اور چہلم الگ ہورہا ہے۔ نہیں ہوتا تو قرض لے لے کے کرتے ہیں۔ تو مسلمانوں کی جائیدادیں برباد ہوئی ہیں۔ حکومتیں چھین گئیں۔ شادی کی رسموں میں یا غمی کی رسموں میں۔ رسوم کی وجہ سے مسلمان تباہ ہوئے اور اب تک بھی ہوش نہیں آتا اسی میں مبتلا ہیں۔ (۳)

بچوں کی اصلاح سے قبل ماں باپ کی اصلاح :- تقریباً سبھی نیک طینت ماں باپ اس بات کے خواہشمند ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد نیک وصالح اور ان کی فرمانبردار نکلے اور اسلامی شعور سے آراستہ ہو ۔ قاری صاحبؒ کا کہنا ہے کہ یہ مکمل طور پر اسی وقت ممکن ہے جب کہ خود ماں باپ اصلاح شدہ ہوں کیونکہ بچہ بچپن ہی سے نقال ہوتا ہے اور نمونے کے طور پر سب سے پہلے ماں باپ ہی اس کے سامنے ہوتے ہیں اگر وہ نیک اور شائستہ ہوں تو بچہ میں بھی شائستگی پیدا ہوگی اور اگر وہ ہی خراب اور پھوہڑ ہیں تو بچہ بھی بدتہذیب ہی نکلے گا ۔ کہتے ہیں : " یہ فکر آپ کی بجا ہے کہ ہماری نسلیں خراب نہ ہوں ۔ ان میں ایمان باقی رہے..... لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی ضرورت ہے کہ فقط اولاد کی فکر نہ ہونی چاہئیے اپنی بھی تو فکر ہو ۔ جو حرکتیں تمھاری ہوں گی اس کی بچے نقل اتاریں گے ۔ بچے میں بالطبع نقالی کی عادت ہے ۔ آپ نماز پڑھیں گے وہ بھی رکوع سجدے کرنے لگے گا ۔ آپ بولیں گے وہ بھی اسی طرح بولنے کی مشق کرے گا ۔ گالی والی دیں گے تو آپ کو گالی دینے لگے گا ۔ (۴)

سماج کی اصلاح میں عورتوں کا حصہ :- قاری صاحبؒ کا کہنا ہے کہ ماں باپ میں بھی خاص طور پر ماؤں کا پاکیزہ ہونا ازحد ضروری ہے کیونکہ بچہ کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہی ہوتی ہے اور خود شوہر کی اصلاح میں بھی عورت ہی کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے ۔ کہتے ہیں : " سب سے زیادہ ہماری ماؤں ، بہنوں کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی گود کو علم سے بھریں ۔ خود مسائل سیکھیں ۔ بچہ ابتداءً جو کچھ سیکھے گا انہیں سے سیکھے گا ۔ اگر ماں کی زبان پر علم کا چرچا رہے ، بچہ بھی وہی چرچا لے کر کھڑا ہوگا اور اگر ماں کی زبان پر جہالت ہے بچہ بھی جہالت لےکر چلے گا ۔ اس لئے ہماری بہنوں کو اپنی وجہ سے اور اپنی نسلوں کی وجہ سے خود بھی بدلنے کی اور اپنی اصلاح کی ضرورت ہے کہ وہ علم کی طرف متوجہ ہوں ۔ اور اگر وہ متوجہ نہ ہوگئیں تو ان مردوں کی مجال ہے کہ متوجہ نہ ہوں ۔ اس واسطے کہ یہ تو ان کے زرخرید غلام ہیں ۔ جتنی شادی اور غمی کی رسمیں ہوتی ہیں جن میں مسلمان تباہ ہوئے جب پوچھا جائے کہ بھئی ! تم عقلمند سمجھدار ہو پھر یہ کیا کر رہے ہو ؟ تو کہتے ہیں جی عورتیں نہیں مانتیں ۔ گویا عورتیں لیڈر اور حکام ہیں ۔ وہاں سے آرڈر جاری ہوتا ہے اور ان کا فرض ہے کہ یہ تعمیل کریں ۔ یہ غلامی میں گرفتار ہیں ۔ بہرحال یہ ایسے ہی غلام ہیں ۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر عورتیں انہیں عیر پہ لگانا چاہیں تو یہ ضرور لگ کے رہیں گے ۔ (۵)

نصیحت کا طرز کیسا ہو ؟ :- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت محمدیہ کا خاصہ ہے ۔ لیکن

اس کا بھی ایک سلیقہ اور کچھ آداب ہیں کہ نصیحت محبت اور خلوص کے جذبے سے کی جانی چاہیئے
درج ذیل اقتباس اپنی فکری و معنوی اہمیت کے ساتھ ساتھ خاصی دلچسپی کا بھی حامل ہے۔ کہتے ہیں:
" محبت اور اس جذبے سے نصیحت کی جائے کہ کسی طرح قبول کرلے۔ بعض اس جذبہ سے نصیحت کرتے ہیں کہ میرا فرض ہے ادا ہوجائے۔ یہ چاہے جہنم میں جائے یا جنت میں۔ یہ نصیحت کا طرز نہیں۔ انبیاء علیھم السلام اس طرح نصیحت کرتے وہ تو یہ چاہتے ہیں جیسے باپ بیٹے کو نصیحت کرتا ہے کہ کسی طرح مان جائے، کبھی لالچ دیتا ہے کبھی گھورتا ہے کبھی مارتا ہے، پیٹتا ہے۔ باپ کا یہ جذبہ نہیں ہوتا کہ میں نصیحت کردوں اب چاہے یہ جنت میں جائے یا جہنم میں چاہے بدنام ہو برباد ہو مجھے پرواہ نہیں وہ تو یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح وہ سیدھے راستے پر آجائے۔ یہی انبیاء کرام کی شان ہے۔ وہ اپنے کوذمہ سے بری کرنے کے لئے نہیں بلکہ مخلوق کو راہ ہدایت پر لانے کے لئے نصیحت کرتے ہیں تو کبھی ڈراتے ہیں، کبھی دنیا کا لالچ اور کبھی آخرت کا لالچ دیتے ہیں کہ کس طرح بندہ مان جائے تو امت اپنے پیغمبر کی قائم مقام ہے اس کا بھی یہی فرض ہے کہ ایک دوسرے کو نصیحت، امربالمعروف اور نہی عن المنکر کرے تاکہ امت کا راستہ صحیح ہوجائے۔ (٦)

مثالی مسلمان بننے کا راز:- قاری صاحبؒ کا کہنا تھا کہ اگر ہم سماج میں قابل نمونہ افراد اور مکمل اسلامی مزاج کے حامل اشخاص تیار کرنا چاہیں تو یہ سیرت محمدی پر عمل کرکے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ اس بات کو انہوں نے اپنی اکثر تقاریر میں دہرایا ہے کہ سیرت طیبہ ہی ہمارے لئے زندگی گزارنے کا منشور ہونی چاہئیے۔ فرماتے ہیں:

" آج اگر ہم لوگ اپنے نونہالوں کے لئے سچے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ ایک طرف تو وہ نہایت اونچے پیمانے کے دینداراور خداپرست ہوں جن میں رواداری، بےقاعدگی، بداعتقادی اور اصول آزادی نہ ہو ان کی نگاہ خدا پر ہو اور اسی پر بھروسہ اور اعتقاد رکھتے ہوں اور دوسری طرف وہ ملک کے سچے شہری اور متمدن ہوں جن کے حالات ومعاملات میں دیانت، صداقت وراستگوئی وراست بازی ہو شخصی مفاد کے غلبہ کے بجائے قومی اور جماعتی مفاد ان پر غالب ہو۔ ایک طرف وہ مساجد ومدارس کی زینت ہوں اور دوسری طرف درباروں اور بازاروں کا نظم بھی ان کے ہاتھوں میں فروغ پارہا ہو۔ ایک طرف ان کی خلوت گاہیں یاد الٰہی سے بھرپور ہوں اور دوسری طرف ان کی جلوتیں اور حکومت کے دفاتر ان کی عدل گستری سے معمور ہوں۔ ایک طرف وہ اپنے ملک میں خوشحال وخوش مآل ہوں اور دوسری طرف اہل ملک ان کی طرف رجوع ہوکر نہ صرف ان سے عزت مندانہ تعلقات ومعاملات

ہی کو اپنی آبرو سمجھیں بلکہ ان کے مثالی معاملات سے بھی درس لیں تو یہ جامع زندگی بجز اس سیرت جامع کی عملی پیروی کے کہیں بھی انہیں دستیاب نہیں ہوگی ۔ (۷)

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی زندگی کی پیروی کے معاملہ میں بھی قاری صاحبؒ ایک معتدل اور ماحول سے مطابقت رکھنے والی فکر کے حامل تھے ۔ ان کی معاشرے کی خرابیوں اور اس کے انحطاط پر مکمل نظر تھی ۔ انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ اس ماحول میں ہم عوام سے کس حد تک تقویٰ وپرہیزگاری کی امید رکھ سکتے ہیں ۔ ان کا کہنا تھا کہ اس معاملہ میں بھی سخت اعتدال کی ضرورت ہے کیوں کہ مکمل طور پر سیرت محمدی پر تو خواص بھی اپنے آپ کو نہ ڈھال سکے اس لئے عوام پر بھی اس پر مکمل عمل کرنے کیلئے زیادہ زور نہیں دینا چاہئیے کیونکہ چیزیں صرف حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرامؓ کی ذات کے ساتھ خاص تھیں اور انہی کے پاس اس کے تحمل کی صلاحیت بھی تھی ۔ اگر ہم اسے سب پر لاگو کردیں تو بے حد زحمت ہوگی ۔ مثال کے طور پر اگر جو کی روٹی اور زیتون کا تیل کھانے اور اسی طرح کے دوسرے مجاہدات کی پیروی کرنے کا پیغام دیا جائے تو عوام اس بات کی متحمل نہ ہوگی ۔ اس معاملہ میں قاری صاحبؒ بے حد حقیقت پسندہیں فرماتے ہیں : " اگر آدمی حرام سے بچ جائے ، فرائض ادا کرتا رہے یہ اس زمانے کا جنید و شبلی ہے ۔ آج کل جنید وشبلی وہ نہیں ہے جو پہلے کا تھا کہ ایک مستحب کا ترک نہ ہو اور ایک مکروہ کاارتکاب نہ ہو ۔ آج کا بڑا مقدس وہی ہے جو اپنے فرائض ادا کرتا رہے اور حرام سے بچ جائے ۔ بس اس سے زیادہ کوئی کامل نہیں ۔ فتن اتنے بڑھ چکے ہیں کہ اس زمانے میں آدمی یوں چاہے کہ میں زندگی صدیقؓ ، وفاروقؓ کی طرح گزاروں تو یہ ممکن نہیں نہ زمانے کے حالات ہیں نہ ہمارے اندر طاقت ہے نہ ہمیں حوصلہ کرنا چاہئیے بس حوصلہ یہ ہے کہ شریعت کے دائرے سے باہر نہ نکلے ، ناجائز چیزوں کا ارتکاب نہ کرے ، جائز چیزوں کی حدود کے اندر رہے ۔ مشتبہ اور حرام سے بچ جائے بس اتنا کافی ہے ورنہ انبیاء کی زندگی پر تو اکابر ، اولیاء اللہ بھی نہ چل سکے ۔ (۸)

فکری واعتقادی بیماریوں کی اصلاح

کفر وشرک :- فکری واعتقادی گمراہوں میں سب سے بھیانک گمراہی کفر اور شرک کی ہے ۔ اس معاملہ میں ذرا سی لغزش تمام اچھائیوں پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہوتی ہے ۔ اس کو سمجھاتے ہوئے قاری صاحبؒ فرماتے ہیں : " عبادت نافع اور ضار ہی کی ہوتی ہے ۔ اسباب نفع وضرر کی نہیں ہوتی ۔ یہی دھوکہ دوسری قوموں کو ہوا تو کوئی سورج کو سجدہ کرنے لگا تو کوئی درخت کو ۔ کیونکہ کچھ

نہ کچھ نفع تو ہر چیز میں موجود ہے۔ پس تمام عبادتیں (جانی ومالی ہمہ اقسام) اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہونی چاہئیے۔ نہ غیر اللہ کی نذر ماننی چاہئیے نہ غیر اللہ کو سجدہ کیا جائے اور نہ رکوع کیا جائے۔ البتہ جو چیزیں جائز ہیں ان کی تعظیم جائز ہے۔ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی یہی تعلیم دی ہے۔ فرمایا گیا " ان اعبدواللہ واتقوہ واطیعون " یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو اور میری اتباع کرو اور حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی شان تو یہ تھی کہ اگر تکلیف ہوتی تو شکوہ بھی اللہ تعالیٰ سے کرتے تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام گم ہوگئے تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: " انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ " یعنی میں اپنے غم کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔ کیوں کہ ان کو علم تھا کہ یوسف علیہ السلام انہی کی مرضی سے گم ہوئے تھے۔ " (۹)

اولیاء اللہ کی عظمت اور اس معاملہ میں احتیاط :- اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی عزت واحترام ہمارا فرض ہے مگر اس معاملہ میں حدود کو تجاویز کرجانا بے حد بھیانک بھی ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں: " انکی (اولیاء اللہ کی) عظمت واجب ہے۔ گووہ معصوم نہیں مگر خاص مقربین اولیاء اللہ محفوظ ضرور ہوتے ہیں۔ من جانب اللہ انکی حفاظت کی جاتی ہے۔ ان کو من جانب اللہ برائی سے روکا جاتا ہے۔ اگر نفس لے بھی چلے تو اللہ تعالیٰ اس طرف انہیں جانے نہیں دیتے۔ حفاظت خداوندی شامل حال ہوتی ہے۔ مگر اسکے باوجود امکان ہے کہ غلط فہمی ہوجائے۔ امکان ہے کہ عمل غلط ہوجائے اور جب امکان آگیا تو قطعیت نہ رہی اور دین قطعی حکم کا نام ہے۔ ظنی اور امکانی چیز نہیں، اس لئے انبیاء کی حدتک تو بات صحیح ہے کہ انکا جوقول وفعل ہے وہ شریعت بنادیا جائے، لیکن دوسرے لوگوں کے حق میں یہ بات نہیں ہے کہ ان کا ہر قول وفعل شریعت بنادیا جائے " (۱۰)

ترک دنیا کا صحیح مفہوم :- فلسفہ ترک دینا اسلام سے بہت پہلے کی چیز ہے۔ عیسائیت اور ہندوازم اس کے اصل منبع ہیں۔ قاری صاحبؒ کے مطابق اصل ترک دنیا ہے کہ آدمی دن رات محنت کرکے رزق حلال حاصل کرے اور جب دنیا آئے تو اس کا استعمال کرے مگر دل خدا کی محبت سے معمور ہو۔ دنیا کی محبت سے لبریز نہ ہو بس اسی کا نام ترک دنیا ہے۔ اور جہاں تک گوشہ نشینی اختیار کرلینے اور دنیا سے قطع تعلق کرلینے کا معاملہ ہے وہ ترک دنیا میں نہیں آتا۔ فرماتے ہیں:

" اسلام نے لوگوں کو تارک الدنیا بنایا متروک الدنیا نہیں بنایا۔ دنیا پر قابو پاکر پھر اس کو ترک کرو خواہ ہاتھ سے، خواہ قلب سے اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم دولت مند مت بنو اور بھیک منگے بنو۔ مسلمان بھیک منگا اور سائل بننے کیلئے نہیں آیا وہ دنیا کو دینے کے لئے آیا ہے۔ دنیا سے مانگنے کیلئے

نہیں آیا۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کماؤ "کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ" نیک اور پاک کمائی ہر مسلمان کے اوپر فرض ہے ...... ہاتھ پیر کاروبار میں لگے ہوئے اور دل اپنے مالک میں لگا ہو یہ اسلام کی تعلیم ہے۔ نہ کہ تم دنیا ترک کر کے پہاڑوں میں بیٹھ جاؤ۔ نبی کریمؐ نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر ایک ایک دن کے اندر کئی کئی لاکھ روپیئے اپنے دست مبارک سے تقسیم کئے ہیں تو یہ شان بتلائی گئی ہے کہ دنیا قبضے میں بھی کرو پھر قلب سے ترک کرو اور اگر ملتی نہیں اور کہو ہم تارک الدنیا ہیں۔ تارک الدنیا نہیں متروک الدنیا ہو۔ دنیا نے تمھیں ترک کر رکھا ہے.... وہ تارک الدنیا نہیں کہ دنیا ہاتھ میں نہیں اور للچائی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے اور لوگوں کو دھوکا دے رہا ہے کہ میں تارک الدنیا ہوں"۔ (۱۱)

اختلاف رائے اور احترام :- قاری صاحبؒ کو معمولی باتوں پر بالعموم عوام کا اور بالخصوص علماء کا آپس میں لڑنا اور تماشا کرنا بالکل پسند نہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ مختلف مسالک سے متعلقہ فقہی بحثوں میں ہونے والی ائمہ کی بے عزتی سے بھی سخت نالاں تھے فرماتے ہیں: "حضرات صحابہؓ کے درمیان بھی اختلافات تھے۔ ائمہ مجتہدین میں اجتہادی مسائل میں جو اختلافات ہیں وہ صحابہ کرامؓ میں بھی تھے۔ لیکن باوجود اس کے ادب واحترام اور عظمت و تعظیم میں ذرہ برابر کمی نہ کی۔ اس لئے کہ ہمارے ہاں جھگڑوں کی وجہ کیلئے مسائل کی خاصیت نہیں ہے بلکہ ہمارے نفسانی جذبات ہیں۔ ہم نے اپنے جذبات کو نکالنے کے لئے مسائل کو آڑ بنا رکھا ہے۔ اگر یہ مسائل کی خاصیت ہوتی تو سب سے پہلے صحابہ کرامؓ لڑتے کیوں کہ انکے پاس بھی اختلاف تھا۔ اس کے بعد ائمہ مجتہدین کے ہاں لاٹھی چلتی پھر علماء ربانیین آپس میں لڑتے۔ مگر اختلاف بھی ہے اور ادب بھی... بہرحال آجکل یہ چیز پیدا ہوگئی ہے بہت گستاخی، جسارت اور جرات ہورہی ہے"۔ (۱۲)

غیروں کے ستم پر شکوہ کرنا :- دوسری اقوام کے مظالم کا شکوہ کرنا کہ فلاں قوم نے اپنی مکاریوں سے ہم پر یہ ستم ڈھایا اور ہماری املاک کو جان ومال کو عزت نفس کو نقصان پہنچایا۔ قاری صاحبؒ کے خیال میں بے حد فضول ہے۔ اپنے بیشتر خطبات میں وہ اس پر طنز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "آج مسلمان یہ شکایت کرتے ہیں کہ مجھے فلاں سکھ نے ایذاد پہنچائی فلاں ہندو یا عیسائی نے تکلیف دی۔ میں کہتا ہوں کہ تمام اقوام عالم کی برائیوں کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ کیونکہ یہ دنیا کہ معلم تھے جب معلم درست ہوں گے تو دوسرے خود بخود درست ہوجاتے ہیں۔ حدیث میں ہے "الاسلام یعلوولایعلی علیہ" اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا لیکن جب اسلام

کے دائرے میں ہی نہ آئیں تو ہم پست ہونگے ورنہ اسلام میں تو پستی نہیں ہے "۔ (۱۳)

نظریہ اشاعت علم دین :- چونکہ قاری صاحبؒ کی ساری زندگی کا تعلق تعلیم و تعلم اور مدارس کے روحانی ماحول سے ہی تھا اس لئے انکی کئی تقاریر مدرسہ، اساتذہ اور طلبہ وعلم دین سے متعلق ہیں۔ قاری صاحبؒ دینی تعلیم کی اشاعت اور عصری تعلیم کے حصول کے معاملہ میں بھی مثالی فکر کے حامل تھے کہتے ہیں: "میں تو کہتا ہوں کہ ہرخاندان اور ہر گھر میں اگر پانچ بچے ہوں تو آپ چار کو دنیوی تعلیم پڑھوائیں اور کم ازکم ایک کو دینی تعلیم کے لئے وقف کردیں.... یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص عالم بنے لیکن ما ضروریات دین" کا علم حاصل کرنا تو ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے ۔ روزمرہ کے دینی اعمال فرائض پنجگانہ، زکوۃ، حج اور روزہ یہ فرائض ہیں ان کا علم ہونا فرض ہے۔ اسی طرح یہ کہ میں مسلمان کیوں ہوں؟ مسلمان ہونے کے کیا معنیٰ ہیں؟ اسلام وایمان کے معنیٰ کیا ہیں؟ نیکی اور اخلاق کے کیا معنیٰ ہیں؟ یہ اجمالی باتیں تو ہر ایک پر فرض ہیں۔ لیکن تفصیلی طور پر عالم بننا یہ ہر ایک پر فرض نہیں ہے۔ یہ تو سو میں ایک بھی بن گیا تو انشاء اللہ وہ سب کی اصلاح کردے گا۔ پانچ سو میں سے ایک ہی ہوجائے تو کافی ہے۔ (۱۴)

عصری تعلیمی ادارے اور انکی مضرت :- عصری تعلیمی اداروں اور ان سے پیدا ہونے والے ماحول کے بارے میں قاری صاحبؒ کا کہنا ہے: "ہم کالجوں اور یونیورسٹیوں کے وجود کے خلاف نہیں بلکہ ان کے لادینی ماحول اورمادہ پرستانہ اخلاقی تربیت کے خلاف ہیں۔ کیوں کہ لادینی اور اخلاقی انار کی محض کالج اور یونیورسٹی یا محض کسی کتاب کے نوشتوں کا اثر نہیں بلکہ معلموں کی ناتربیتی اور پست اخلاقیوں کے ماحول کا اثر ہے اور پھر اس تعلیمی ماحول کے بگڑنے ہی سے پورا معاشرہ بگڑ جاتا ہے۔ اس لئے یونیورسٹیاں مضر نہیں بلکہ ان کا ماحول مضر ہے۔ اگر انہیں یونیورسٹیوں میں مادہ پرستی کے بجائے خداپرستی کے داعی پیدا ہوجائیں اور مادی ڈھانچوں میں روحانی قدروں کا رنگ بھر دیا جائے تو یہی مادہ ایک صالح تمدن کا جنم دہندہ بن سکتا ہے۔ پس ضرورت کالجوں اور یونیورسٹیوں کے مٹانے کی نہیں بلکہ ان کا نظام اور ماحول بدلنے کی ہے۔ (۱۵)

قاری طیب صاحبؒ کے خطبات کی خصوصیات کا تعلق انکے مطالعہ ومشاہدہ، علم وفضل اور ادراک وشعور، غوروفکر اور جذبہ ایمانی کے علاوہ ادب اور فصاحت وبلاغت کے بہت سے پہلوؤں سے ہے اور یہاں بعض اہم خصوصیات کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کے خطبات کے موضوعات کا دامن ان کے علم وفضل کی طرح وسیع ہے۔ اس میں قرآنیات، حدیث، فقہ، کلام،

منطق، سماجیات، ادب، اصلاح غرض سبھی موضوعات سمٹ آتے ہیں۔ موضوعات زیر بحث میں وہ جو کچھ بیان فرماتے ہیں وہ وسیع مطالعہ، گہرے مشاہدے، غیر معمولی تدبر اور اسلامی تعلمات کا نچوڑ ہوتا ہے۔

قاری صاحبؒ کے خطبات میں ایک ایسی دلکش اور دل کشا فضا ملتی ہے کہ سامع کو گھٹن اور بیزاری کا احساس بالکل نہیں ہوتا۔ انکے خطبات طنز وظرافت کی چاشنی بھی لئے ہوئے ہوتے ہیں جو ان کے باوجود طویل ہونے کے مقبول ہونے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ ادبی اعتبار سے خطبات حکیم الاسلام اپنی منفرد اہمیت کے حامل ہیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ سادہ اسلوب، سادہ زبان اور سادہ ترین بیان میں سلاست وسادگی کا ایک خوبصورت نمونہ پیش کیا گیا ہے وہ سادہ مگر پروقار الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے خطبات کے جملے بالعموم چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور انکی تراکیب میں سادگی کے ساتھ کہیں کہیں ندرت بھی ملتی ہے۔ عربی وفارسی کے الفاظ کا استعمال بھی کہ وہ ان جیسے دیوبند کے پروردہ شخص کے لئے تقریباً ناگزیر تھا۔ ان کے خطبات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاری صاحب نے مسلم سماج سے متعلقہ تقریباً سبھی مسائل پر غور کیا اور ان کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی۔ چونکہ انکی عملی زندگی اسلامی تعلیمات کی آئینہ دار تھی۔ انہیں اسلامی اقدار کا پاس تھا۔ انکی حمیت ایمانی مثالی تھی اور ان کا قلب ملت اسلامیہ کی زبوں حالی سے بے چین تھا۔ اس لئے ان کی تقاریر میں ایک عجیب طرح کی تاثیر تھی جو دل ودماغ پر اثر انداز ہو کر سوچنے پر اور سنجیدہ ہونے پر مجبور کرتی تھیں۔ آج بھی جب ہم انکے خطبات کا مطالعہ کرتے ہیں تو قلب وروح کی عجیب حالت ہونے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے بیشتر مقرروں نے انکے انداز خطبات کو ہو بہو اپنایا اور عوام میں مقبولیت حاصل کی۔ اس حساب سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قاری صاحب کے خطبات نے جہاں عوام میں اسلامی روح اور شعوری بیداری پیدا کرنے میں نمایاں حصہ لیا وہیں ان کے ذریعہ سے بہت سے ایسے خطباء بھی تیار ہوئے جنہوں نے ان کو دیکھ کر ان کو سن کر اور ان کو پڑھ کر انکے انداز کواپنایا۔ انکے درداور ان کے جذبہ کو اپنے سینہ میں منتقل کیا اور انہی کے طرز پر عوام کی اصلاح کے لئے سرگرم عمل ہوئے۔ اس اعتبار سے اگر یہ کہا جائے تو بالکل بے جا نہ ہوگا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اصلاح اور ان میں اسلامی بیداری پیدا کرنے میں قاری صاحبؒ کے خطبات کا بے حد اہم اور نمایاں کردار رہا ہے جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

(((حواشی)))

(۱). خطبات حکیم الاسلام ۔ حکیم الاسلام اکیڈمی ۱۹۸۵ء۔ جلد نمبر ۱ ص ۱۳۶ ۔ ۱۳۵

(۲). خطبات حکیم الاسلام جلد ۲ ص ۴۹۱ ۔ ۴۹۰

(۳). خطبات حکیم الاسلام جلد ۲ ص ۴۹۶

(۴). خطبات حکیم الاسلام جلد ۱ ص ۱۴۸

(۵). خطبات حکیم الاسلام جلد ۴ ص ۱۸۴

(۶). خطبات حکیم الاسلام جلد ۱ ص ۳۶۱

(۷). خطبات حکیم الاسلام جلد ۱ ص ۲۸۵ ۔ ۲۵۷

(۸). خطبات حکیم الاسلام جلد ۱ ص ۴۷ ۔ ۴۶

(۹). خطبات حکیم الاسلام جلد ۱ ص ۱۷۳ ۔ ۱۷۲

(۱۰). خطبات حکیم الاسلام جلد ۱ ص ۱۴۳

(۱۱). خطبات حکیم الاسلام جلد ۳ ص ۲۲۵ ۔ ۲۲۳

(۱۲). خطبات حکیم الاسلام جلد ۳ ص ۲۸۷ ۔ ۲۸۳

(۱۳). خطبات حکیم الاسلام جلد ۲ ص ۱۷۲

(۱۴). خطبات حکیم الاسلام جلد ۱ ص ۲۳۲

(۱۵). خطبات حکیم الاسلام جلد ۳ ص ۲۱۷

---

* بقیہ صفحہ 38 سے ا

اس طرح کے انقلاب کو ہم چلا پائیں گے اور کامیابی سے ہمکنار کرسکیں گے ؟ میرا جواب ہاں میں ہے ۔ ہمارے پاس تمام آلات اور صلاحیتیں موجود ہیں جن کی بنیاد پر وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ہم اسے کامیاب کرسکتے ہیں ۔ میں اس انقلاب کی دستک سن رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اسے کامیابی سے برپا کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ پاکستان کی تخلیق کی اصل خواہش ابھی تک زندہ وتابندہ ہے ۔ انقلاب کیلئے میدان ہموار ہوچکا ہے ، ہماری قوم اہلیت وصلابت اور دیانت وصلاحیت سے محروم نہیں ہوئی ۔ اگر ہم اسے صحیح رُخ پر رکھ سکیں تو مجھے یقین ہے کہ پاکستان انقلاب کے پھریرے لہراتا ہوا ۲۱ ویں صدی میں داخل ہوگا ۔ ہم نہ صرف اس سرزمین پر لاالٰہ الا اللہ کی حکمرانی کا اعلان کریں گے بلکہ پوری دنیا کو امن ، سلامتی اور خوشحالی کا پیغام دیں گے ۔